وحدت امت کا داعی اور غلبہ اسلام کا علمبردار

پندرہ روزہ

الشریعۃ

گوجرانوالہ

زیر سرپرستی:

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم

زیر ادارت:

ابو عمار زاہد الراشدی

الشریعۃ اکادمی

مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

پونم اور پاکستان بار کونسل کے مطالبات گمراہ کن ہیں

دینی حلقے ملک کی اسلامی حیثیت کے تحفظ کے لیے آگے بڑھیں

---------- مولانا درخواستی

پاکستان شریعت کونسل کے امیر مولانا فداء الرحمٰن درخواستی نے قوم پرست جماعتوں کے متحدہ محاذ "پونم" کے اس مطالبہ کو گمراہ کن قرار دیا ہے جس میں پاکستان کے نام سے "اسلامی" کا لفظ حذف کرنے اور لسانی بنیادوں پر نئے صوبوں کے قیام کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان کا قیام اسلام کے نفاذ کے نعرہ پر وجود میں آیا تھا اور اسے اس تشخص سے محروم کرنا پاکستان کے مقصد وجود کی نفی ہے اور سیکولر قوتیں مسلسل اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کر کے اسے لادین ریاست بنا دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان بار کونسل کی طرف سے "وفاقی شرعی عدالت" اور "حدود آرڈی نینس" کے خاتمہ کا مطالبہ بھی افسوسناک ہے اور پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کی مہم کا حصہ ہے جس کا دینی حلقوں کو سنجیدگی کے ساتھ نوٹس لینا چاہیے۔ مولانا فداء الرحمٰن درخواستی نے دینی جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ اور پاکستان کے اسلامی تشخص کے تحفظ کے لیے متحد ہو کر آگے بڑھیں۔

---------- امت مسلمہ کو ----------

اسلامی سال نو ۱۴۲۰ھ مبارک ہو

---------- منجانب ----------

محمد ادریس خان صدر و دیگر ارکان پاکستان مسلم سوسائٹی

---------- بھوئی گاڑ براستہ فاروقیہ ضلع اٹک ----------

پندرہ روزہ

الشریعہ
گوجرانوالہ

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کا ترجمان

جلد ۱۰	یکم مئی ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ	شمارہ ۹

فہرست مضامین

کلمہ حق	رئیس التحریر	۴
خلفاء راشدینؓ کی سنت	مولانا محمد سرفراز خان صفدر	۹
حصول علم ۔ مشترکہ ذمہ داری	مولانا صوفی عبد الحمید سواتی	۱۰
محرم الحرام اور شہداء کی یاد	ابو عمار زاہد الراشدی	۱۱
منکرین حدیث کی سرگرمیاں	ڈاکٹر احمد علی سراج	۱۳
انڈونیشیا اور ایسٹ تمور	طاہر نوید چوہدری	۱۵
اسلام کا تصور ملت	عبد الرشید ارشد	۱۷

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی

رئیس التحریر

ابو عمار زاہد الراشدی

مدیر

حافظ محمد عمار خان ناصر

مدیر منتظم

عامر خان راشدی

زر مبادلہ

سالانہ ایک سو روپے

فی پرچہ پانچ روپے

بیرونی ممالک سے

دس امریکی ڈالر سالانہ

خط و کتابت کے لیے

مرکزی جامع مسجد

پوسٹ بکس 331 گوجرانوالہ

فون و فیکس

0431-219663

ای میل

alsharia@paknet4.ptc.pk

ویب ایڈریس

http://www.ummah.net/al-sharia

نرخنامہ اشتہارات

آخری صفحہ	دو ہزار روپے
اندرونی صفحہ ٹائٹل	پندرہ سو روپے
اندرونی صفحہ عام	بارہ سو روپے

مسعود اختر پرنٹرز میکلوڈ روڈ لاہور میں چھپا اور حافظ محمد عبد المتین خان زاہد نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ سے شائع کیا

کلمہ حق رئیس التحریر

سنی شیعہ کشیدگی کے اسباب پر ایک نظر

وزیر اعظم پاکستان نے گزشتہ دنوں جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی سربراہی میں مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام اور راہنماؤں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم کی تا کہ سنی شیعہ کشیدگی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کی جائے اور اس کو کم کرنے کے لیے تجاویز مرتب کی جائیں۔ کمیٹی نے اپنے پہلے اجلاس میں یہ تجویز کیا کہ صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ کی شان میں گستاخی کے جرم کی سزا میں اضافہ کیا جائے اور کسی گروہ کی تکفیر کا معاملہ وفاقی شرعی عدالت کے سپرد کر دیا جائے اور اس کے بغیر کسی کو کافر قرار دینے کی اجازت نہ دی جائے۔ اگرچہ کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد کے خلاف مولانا سمیع الحق، جناب ساجد نقوی، ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی اور دیگر حضرات کے بیانات کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد نے کمیٹی کی سربراہی سے استعفیٰ دے دیا، تاہم کمیٹی کی افادیت اور اس کے کام میں پیش رفت کی ضرورت بدستور موجود ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں دو قسطوں پر چھپا تھا جسے نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔ (رئیس التحریر)

سنی شیعہ کشیدگی اور ماہی قتل وقتال کی افسوسناک صورتحال کے اسباب وعوامل کا جائزہ لینے کے لیے تنظیم اسلامی پاکستان کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد کی سربراہی میں علماء کمیٹی نے کام شروع کر دیا ہے اور اس کے پہلے باضابطہ اجلاس کے بعد ابتدائی سفارشات کی جو شکل سامنے آئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف کمیٹی اپنے کام میں سنجیدہ ہے بلکہ کمیٹی قائم کرنے والے حضرات بھی اس سلسلہ میں کوئی عملی پیش رفت چاہتے ہیں۔ یہ کمیٹی وزیراعظم پاکستان نے قائم کی ہے اور اس میں سنی شیعہ کشیدگی کے موجودہ راؤنڈ کے دو متحارب گروہوں تحریک جعفریہؒ اور سپاہ صحابہؓ کے سربراہوں کے علاوہ مختلف دینی مکاتب فکر کے ذمہ دار حضرات شامل ہیں، اگرچہ ملی یک جہتی کونسل کے سیکرٹری جنرل سمیع الحق نے ملتان میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس کمیٹی پر اعتراض کیا ہے کہ یہ کمیٹی جماعتوں کی نمائندہ نہیں ہے اس لیے ان کے بقول یہ کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکے گی اور ان کے خیال میں ملی یک جہتی کونسل کو دوبارہ متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن مولانا موصوف کا یہ اعتراض بوجوہ درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ ملی یک جہتی کونسل اس مسئلے میں ہاتھ ڈال کر ناکام ہو چکی ہے اور اسے یہ گتھی سلجھانے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ اس لیے اس سلسلہ میں اسے دوبارہ متحرک کرنے کی کوئی بات "آزمودہ را آزمودن" والا قصہ ثابت ہوگا۔ ثانیاً اس لیے کہ سنی شیعہ کشیدگی کے حالیہ راؤنڈ میں اصل فریق دو ہی ہیں، سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ، اس لیے جب دونوں کے سربراہ کمیٹی میں شریک ہیں تو حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے اس کمیٹی کی کوششیں ہی کارگر ہو سکیں گی۔ ثالثاً اس لیے کہ کمیٹی میں اگرچہ بہت سی جماعتوں کو نمائندگی حاصل نہیں ہے لیکن اس کمیٹی میں شامل شخصیات مذہبی مکاتب فکر کی علمی اور دینی نمائندگی کے لحاظ سے بہرحال موثر ہیں۔ رابعاً اس لیے کہ یہ مسئلہ جماعتوں کا نہیں بلکہ مذہبی مکاتب فکر کا ہے ورنہ جمعیت علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کی قیادت کو اس کشمکش سے لاتعلق رہنے کی ضرورت نہیں تھی اور ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کشیدگی کے مسلسل بڑھتے چلے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جمعیت علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کی قیادت نے اسے اپنا مسئلہ نہیں سمجھا اور کشمکش کو آگے بڑھنے کے لیے "فری ہینڈ" دے دیا ورنہ صورت حال شاید اتنی زیادہ خراب نہ ہوتی اور اسے کہیں نہ کہیں بریک ضرور لگ جاتی۔

اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کمیٹی میں نمائندگی نہ پانے والی جماعتوں کو، خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہوں، اسے ایشو نہیں بنانا چاہیے اور ملی یک جہتی کونسل کی آڑ میں کوئی متوازی محاذ کھڑا کرنے کی بجائے اس کمیٹی کے ساتھ تعاون کی کوئی راہ نکالنی چاہیے ورنہ امید کا یہ پہلو بھی مایوسی کی تاریکیوں کی نذر ہو جائے گا اور اس کے بعد شاید جلد کوئی امید افزا صورت حال سامنے نہ آسکے۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد نفس مسئلہ کے بارے میں معروضات پیش کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ جب مسئلہ کشیدگی کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کا ہے تو پھر دیانت وامانت کا تقاضا ہے کہ قومی بحث ومباحثہ کے دوران اس سلسلہ میں جو بات بھی محسوس ہو رہی ہو، اسے سامنے لایا جائے اور معاملہ کے ہر پہلو کی اچھی طرح چھان پھٹک کی

جائے تا کہ کوئی کانٹا ایسا باقی نہ رہ جائے جو اس موقع پر چبھنا نہ جا سکے اور بعد میں کسی وقت الجھن کا باعث بن جائے۔ اس جذبہ اور احساس کے ساتھ سنی شیعہ کشیدگی کے اسباب و محرکات کے بارے میں کچھ گزارشات قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

سنی شیعہ کشمکش اور کشیدگی کا پس منظر تو تاریخی اور قدیمی ہے کہ قرآن کریم، خلفاء راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات میں اتنا واضح فرق موجود ہے کہ اس فرق کی موجودگی میں دونوں میں سے کسی کا بھی دوسرے فریق کو مذہبی طور پر قبول کرنا خود اپنے مذہب کے اصولوں کو رد کرنے کے مترادف ہوگا اس لیے یہ معاملہ سرے سے خارج از بحث ہے کہ مذہبی عقائد کے حوالہ سے دونوں میں مفاہمت کی کوئی صورت نکل سکے اور اس ضمن میں اگر کوئی کوشش کی گئی تو وہ کار لا حاصل کے سوا کوئی مقام حاصل نہیں کر سکے گی البتہ اس فرق کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں کے درمیان حد فاصل کے اعتراف کے ساتھ باہمی تعلقات کار اور مشترکہ معاملات میں شرکت پر گفتگو ہو سکتی ہے اور اس وقت اسی نکتہ پر گفتگو کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ماضی میں تحریک آزادی، تحریک پاکستان اور اس کے علاوہ نفاذ اسلام، ختم نبوت اور دیگر قومی و دینی تحریکات میں دونوں فریق مشترکہ جدوجہد میں شریک ہوتے رہے ہیں اور ایک دوسرے کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے باہمی تعاون کی راہ پر چلتے رہے ہیں۔ اس لیے ان اسباب کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اس صورت حال میں بگاڑ پیدا کیا ہے اور بہت سے معاملات میں باہمی تعاون و اشتراک کرنے والے دو گروہوں کو آمنے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور باہمی تصادم کی یہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ ملک کے ایک بڑے حصے میں آج کسی مسجد میں پانچ وقت کی نماز کی باجماعت ادائیگی بھی مسجد کے دروازے بند کرنے اور مسلح پہرہ دار کھڑا کرنے کے سوا ممکن نہیں رہی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کشیدگی میں بہت سے دیگر عناصر بھی شامل ہو گئے ہیں اور پاکستان میں امن و امان کو خراب کرنے میں دلچسپی رکھنے والی بعض ایجنسیوں کے علاوہ مقامی سطح پر غنڈہ عناصر اور قانون شکنی کے عادی بے شمار افراد نے اس کشمکش کے شیڈ میں پناہ لے رکھی ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود بنیادی عنصر وہی سنی شیعہ کشیدگی ہے اور حالات کو خراب کرنے کے خواہش مند خواہ کہیں سے آئیں، انہیں خام مال یہیں سے فراہم ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اسباب و عوامل اور محرکات کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور ان وجوہ کو تلاش کیا جائے جن کے باعث باہمی تعاون و اشتراک کی وہ فضا یکسر ختم ہو گئی ہے جو اب سے صرف دس برس پہلے تک نہ صرف موجود تھی بلکہ دینی تحریکات میں اس کے فوائد بھی حاصل ہو رہے تھے۔ اس سلسلہ میں اگر ایک دو ذاتی واقعات بھی ریکارڈ پر لے آؤں تو شاید نامناسب نہ ہو۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے ابتدائی دور کی بات ہے کہ راقم الحروف مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں باغ جناح کی جانب اپنے کمرہ کی کھڑکی کھول کر اس کے ساتھ بیٹھا تھا کہ گلی سے مولانا مفتی جعفر حسین چند ساتھیوں کے ہمراہ گزرے۔ مفتی جعفر حسین اہل تشیع کے بہت بڑے عالم تھے اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے بانی و سربراہ تھے۔ انہوں نے گلی سے گزرتے ہوئے، مجھے دیکھا تو جامع مسجد کی سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں آ گئے۔ میں نے اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا اور احترام سے بٹھایا۔ مفتی صاحب کہنے لگے کہ میں ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اوپر آ گیا ہوں۔ میں اس کمرہ میں چار سال تک پڑھتا رہا ہوں اور حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ میرے استاذ ہیں۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھے اور اپنے دور طالب علمی کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اب سوچتا ہوں کہ دس پندرہ برس میں صورت حال کس طرح بدل گئی ہے کہ ان باتوں کا اب تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح میں اپنی پہلی گرفتاری کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو ایک شیعہ اے ایس آئی کے ہاتھوں ہوئی اور اس وضع داری اور احترام کے ساتھ کہ اب شاید کسی کو اس کہانی پر یقین نہ آئے۔ اکتوبر ۷۵ء میں جمعیت علماء اسلام پاکستان نے جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں ملک گیر کنونشن منعقد کیا جس کی پاداش میں مسجد نور کو سرکاری تحویل میں لینے کا اعلان ہوا۔ اس پر تحریک چلی، سینکڑوں کارکنوں کی گرفتاریاں ہوئیں اور حکومت مسجد کا قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس تحریک سے قطع نظر کنونشن کے مقررین کے خلاف ۱۶ ایم پی او کے تحت تین مقدمات درج ہوئے جن میں مولانا عبد اللہ درخواستیؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبید اللہ انورؒ، مولانا محمد شاہ امروٹیؒ اور مولانا ایوب جان بنوریؒ سمیت تیس سے زائد سرکردہ علماء کرام شامل تھے۔ میرا نام بھی ان میں شامل تھا۔ جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ان کیسوں میں قبل از گرفتاری ضمانتیں نہ کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس لیے میں بھی پابند تھا کہ ضمانت نہ کراؤں جبکہ میں مقامی طور پر رہنے والا تھا اور ہر وقت پولیس چوکی گھنٹہ گھر کی نظروں میں تھا۔ پولیس چوکی کے اے ایس آئی نے جو شیعہ تھا، خود مجھے جامع مسجد میں آ کر کہا کہ آپ کے خلاف مقدمہ ہے، اس لیے آپ ضمانت کروا لیں۔ میں نے جواب دیا کہ ہم نے ضمانت نہ کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد پھر آیا اور ضمانت کا تقاضا دہرایا۔ میں نے وہی جواب دہرایا اور وہ پھر واپس چلا گیا۔ اس سے کچھ روز بعد کی بات ہے کہ راقم الحروف اور جمعیت علماء اسلام کے راہنما ڈاکٹر غلام محمد صاحب جی ٹی روڈ پر جا رہے تھے کہ وہی اے ایس آئی سامنے سے آ رہا تھا۔ اس نے ملتے ہی پوچھا کہ "مولوی

صاحب ضمانت نہیں کرائی؟" میں نے جواب دیا کہ "نہیں" اس نے کہا کہ آئیں پھر چلیں (یعنی آپ کو گرفتار کر رہا ہوں) ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے، تین روز کے بعد عید ہے اس لیے عید کے بعد چلیں گے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے، عید کی چھٹیاں ختم ہوتے ہی آپ پولیس چوکی میں آجائیں۔ اس وقت تھانہ باغبان پورہ نہیں ہوتا تھا اور وہاں چوکی پولیس گھنٹہ گھر ہوا کرتی تھی۔ عید کی چھٹیاں گزرنے کے بعد میں اور ڈاکٹر غلام محمد صاحب حسب وعدہ پولیس چوکی پہنچے۔ اس شیعہ اے ایس آئی نے میری گرفتاری ڈالی اور کہا کہ مولوی صاحب! آپ کو رات کو حوالات میں رکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپ گھر چلے جائیں اور صبح ۹ بجے سٹی مجسٹریٹ اقبال بوسن کی عدالت میں آجائیں۔ میں وہاں سے ریمانڈ لے کر اپ کو جیل چھوڑ آؤں گا۔ چنانچہ میں چوکی پولیس میں گرفتاری ڈلوا کر گھر چلا گیا۔ دوسرے روز راقم الحروف ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے ساتھ وعدہ کے مطابق سٹی مجسٹریٹ کے سامنے پہنچا تو مذکورہ اے ایس آئی ندارد! انتظار طویل ہوتا چلا گیا اور جب ایک بج گیا تو مجھے تشویش ہوئی اور ایمانداری کی بات ہے کہ یہ تشویش اپنے بارے میں نہیں بلکہ اس اے ایس آئی کے بارے میں تھی کہ اس نے کل سے میری گرفتاری ڈال رکھی ہے اور اگر وہ آج عدالت کے وقت نہ پہنچا تو اس غریب کا کیا بنے گا؟ ہم نے چوکی پولیس میں فون کر کے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ کلر آبادی میں کوئی قتل ہو گیا ہے اور وہ اے ایس آئی تفتیش کے لیے گیا ہوا ہے۔ ہم نے چوکی محرر کو صورت حال بتائی کہ ہم تو اس کے انتظار میں کچہری میں کھڑے ہیں۔ چوکی والوں نے اسے کسی طرح اطلاع کرائی اور وہ بے چارہ بائیسکل پر بھاگم بھاگ دو بجے سے پہلے سٹی مجسٹریٹ کی عدالت میں پہنچا۔ ریمانڈ لیتے ہوئے سٹی مجسٹریٹ نے اے ایس آئی سے پوچھا کہ ملزم کو ہتھکڑی کیوں نہیں لگائی؟ اس نے جواب دیا کہ "سر! یہ ملزم ہتھکڑی والا ہے؟" سٹی مجسٹریٹ نے پوچھا کہ "اگر ملزم فرار ہو گیا تو؟" اس اے ایس آئی نے جواب دیا کہ "سر! میں ذمہ دار ہوں" یہ واقعہ دسمبر ۷۵ء کا ہے اور ابھی صرف پون صدی گزری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب والی کمیٹی کو اپنا کام ضرور مکمل کرنا چاہیے اور ان اسباب وعوامل کو ضرور بے نقاب ہونا چاہیے جنہوں نے باہمی ربط ومفاہمت کی اچھی خاصی فضا میں تلخی کا زہر گھول دیا ہے۔

اصولی طور پر یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ مذہبی مفاہمت تو دونوں گروہوں میں ممکن ہی نہیں ہے کہ قرآن کریم، خلافت وامامت، خلفاء راشدینؓ صحابہ کرامؓ اور دیگر بعض اہم بنیادی امور میں دونوں کے معتقدات ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں اور یہ اختلاف اہل سنت کے دائرہ میں شامل گروہوں مثلاً دیوبندی اور بریلوی کی طرح تعبیرات کا نہیں بلکہ اصولی اور اعتقادی اختلاف ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ اعتقادات وروایات کے بنیادی اختلافات کے باوجود اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان باہمی تعلقات کار اور مشترکہ امور میں تعاون ورابطہ کی جو فضا دس پندرہ برس پہلے تک موجود تھی، وہ اب قائم نہیں رہی اور اسی سے کشیدگی بڑھی ہے۔ اس کے اسباب کو ضرور تلاش کرنا چاہیے۔

وطن عزیز پاکستان میں اہل سنت اور اہل تشیع میں مختلف مقامات پر ماضی میں دو باتوں پر جھگڑا ہوتا رہا ہے۔ ایک اس بات پر کہ بعض غیر محتاط شیعہ مقررین اپنی مجالس اور اصحاب قلم اپنی تصانیف میں حضرات صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت عائشہؓ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ کے بارے میں گستاخانہ لہجہ اختیار کر لیتے تھے جس سے اہل سنت میں رد عمل ہوتا تھا اور بعض جگہ نوبت فسادات تک پہنچ جاتی تھی۔ ماضی میں کچھ مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل تشیع نے حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ کے پتلے جلائے ہیں اور اپنے ماتمی جلوس کی گزرگاہ میں حضرت عمرؓ کا نام لکھا دیکھ کر اس کی بے حرمتی کی ہے اور فسادات تک بات جا پہنچی ہے۔

دوسرے نمبر پر اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان جھگڑے کی بنیاد عزاداری کے جلوس بنتے رہے ہیں کہ بہت سے مقامات پر اہل سنت کو اعتراض اور شکایت ہوئی ہے کہ عزاداری اور ماتم کے جلوس اہل تشیع کے ہاں عبادت ہوں گے مگر ہم تو انہیں جائز نہیں سمجھتے اس لیے یہ جلوس اہل تشیع کی عبادت گاہوں تک محدود رہنے چاہئیں اور جن علاقوں میں اہل سنت کی اکثریت ہے، ان میں جلوسوں کو لے جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بعض جگہ اہل تشیع اس اعتراض اور شکایت کو نظر انداز کر کے جلوس ہر حال میں متنازعہ مقامات سے گزارنے پر اصرار کرتے ہیں جس پر جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ گوجرانوالہ کی ضلعی امن کمیٹی میں، جس کا میں بھی رکن ہوں، ایک محلہ کے اہل تشیع کی درخواست آئی کہ وہ وہاں علم کا جلوس ایک گلی سے لے کر گزرنا چاہتے ہیں۔ گلی والوں کو اعتراض تھا جبکہ درخواست کنندہ کا موقف یہ تھا کہ چونکہ اس نے نذر مانی ہوئی ہے کہ وہ علم کا جلوس اسی گلی سے گزارے گا اس لیے یہ اس کا مذہبی فریضہ ہے اور مذہبی فریضہ کی ادائیگی اس کا حق ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ بھائی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کل اگر میں نذر مان لوں کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں سید کاظم علی شاہ صاحب کی کوٹھی کے دروازے پر مدح صحابہؓ کا جلسہ کروں گا تو کیا انتظامیہ مجھے اس نذر کی بنیاد پر جلسہ کرنے کی اجازت دے گی؟ سید کاظم علی شاہ صاحب ممتاز مسلم لیگی

رہنما ہیں، شیعہ ہیں اور ہمارے مہربان دوست ہیں۔ وہ بھی اس میٹنگ میں موجود تھے۔ اگرچہ انہوں نے بے تکلفی اور وضع داری سے کہا کہ "مولانا! آپ میرے گھر میں جلسہ کر لیں" لیکن جو بات میں ضلعی انتظامیہ کے افسران کو سمجھانا چاہتا تھا، وہ ان کے ذہن میں آگئی اور صورت حال کو کنٹرول کر لیا گیا۔

اب سے بیس پچیس برس پہلے تک اہل سنت اور اہل تشیع میں کشیدگی کا باعث یہی دو مسئلے بنتے تھے اور کچھ مقامات پر فسادات کی نوبت بھی آجاتی تھی لیکن یہ مسئلہ ملک گیر حیثیت اختیار نہیں کرتا تھا اور مختلف تدابیر سے ان پر کنٹرول ہو جایا کرتا تھا۔

اس کے بعد بات یوں کچھ آگے بڑھی کہ اہل تشیع نے جداگانہ مذہبی تشخص کے اظہار کے ساتھ اوقاف، اور دیگر معاملات میں جداگانہ حیثیت کے تعین کے مطالبات شروع کر دیے۔ ممتاز شیعہ لیڈر سید محمد دہلوی صاحب کی سربراہی میں شیعہ مطالبات کمیٹی نے اسلامیات میں شیعہ طلبہ کے الگ نصاب تعلیم اور شیعہ اوقاف کے جداگانہ انتظام کا مطالبہ کر دیا اور سنی شیعہ تنازعہ کے مسائل میں ایک اور مسئلہ کا اضافہ ہو گیا۔ اس پر خاصی کشمکش ہوئی اور اس طرح اہل تشیع نے اجتماعی دھارے سے الگ سفر کا آغاز کر دیا۔ اس وقت بہت سے سنی رہنماؤں نے شیعہ قیادت سے کہا کہ وہ جس سفر کا آغاز کر رہے ہیں، وہ بہت غلط منزل تک انہیں لے جائے گا مگر "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کے مصداق شیعہ قیادت نے اس قسم کے کسی مشورے پر کان دھرنا مناسب نہ سمجھا اور بات مسلسل آگے بڑھتی رہی۔

اس کشیدگی میں اضافے کا تیسرا عنصر اس وقت شامل ہوا جب انقلاب ایران کے بعد پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تحریک کے قائدین نے خود کو ایرانی انقلاب کے نمائندے کے طور پر پیش کیا۔ ملک میں فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور اس مقصد کے لیے اسلام آباد میں ملک کے وفاقی سیکرٹریٹ کا دو روز تک مسلسل محاصرہ کیے رکھا حالانکہ اس مطالبہ کی قطعی کوئی تک نہیں تھی۔ پرسنل لاء میں اہل تشیع کے جداگانہ حقوق اور ان کے نکاح، طلاق اور وراثت کے معاملات ان کے مذہب کے مطابق نمٹائے جانے کے اصول سے اہل سنت نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی انکار نہیں کیا اور نہ ہی انہیں آج اس سے انکار ہے جبکہ پبلک لاء میں سنی اکثریت پر فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ یا کم از کم متوازی طور پر دوہرے پبلک لاء کے نفاذ پر اصرار قطعی طور پر ایک بے جواز بات تھی جس کا ذکر خود راقم الحروف نے ۵۷ء میں ایران کے دورہ کے موقع پر ممتاز پاکستانی علماء کرام اور دانش وروں کی موجودگی میں مقتدر ایرانی راہنما جناب آیت اللہ جنتی کے سامنے کیا اور انہوں نے میری اس گزارش سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں پبلک لاء کے طور پر فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ درست نہیں۔

معاملات جب اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ فقہ جعفریہ کے متوازی نفاذ کے مطالبہ کے لیے وفاقی سیکرٹریٹ کے گھیراؤ ہونے لگے تو اس کا رد عمل ظاہر ہونا ایک فطری بات تھی اور اس کے رد عمل میں "سپاہ صحابہ پاکستان" وجود میں آئی اور پھر اشتعال کے سب عوامل جمع ہو گئے تو ملک میں سنی شیعہ کشمکش نے باہمی تصادم کی وہ صورت اختیار کر لی جس کے تلخ نتائج کا ہم آج سامنا کر رہے ہیں۔

سپاہ صحابہؓ کے اشتعال انگیز طرز عمل بالخصوص "کافر کافر" کے عوامی نعرہ سے ہم نے کبھی اتفاق نہیں کیا۔ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم نے ایک کھلا خط سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں کو لکھا۔ یہ خط ملک بھر میں کئی سال قبل تقسیم ہو چکا ہے۔ خود راقم الحروف نے سپاہ صحابہؓ کے کم وبیش سبھی قائدین سے اس مسئلہ پر بات کی ہے۔ خود مولانا حق نواز شہیدؒ کے ساتھ اس سلسلہ میں میری گفتگو چل رہی تھی اور وہ میرے موقف سے اصولی اتفاق کرتے ہوئے اس کی عملی صورتوں پر تجاویز مانگ رہے تھے۔ حتیٰ کہ جس روز وہ شہید ہوئے، ان کی شہادت سے ایک گھنٹہ قبل فون پر میری ان سے گفتگو ہوئی اور آنے والا بدھ انہی امور پر تفصیلی بات چیت کے لیے طے ہوا مگر اس کے ایک گھنٹہ بعد وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ دوسری طرف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے سربراہ علامہ عارف الحسینی سے بھی میری ملاقات ہوئی جس کے لیے خود انہوں نے خواہش کا اظہار کیا اور گوجرانوالہ کے ممتاز شیعہ راہنما جناب صفدر ترابی مجھے لے کر وزیر آباد گئے جہاں علامہ عارف الحسینی آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی، گفتگو ہوئی اور میں نے ان سے عرض کیا کہ جناب اس کشیدگی کو کم کرنے کے لیے آپ کو تمام مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام کے ۲۲ متفقہ دستوری نکات کی پوزیشن پر واپس جانا ہوگا۔ انہوں نے اصولی طور پر اس سے اتفاق کیا مگر بات پھر اس کے بعد آگے نہ بڑھ سکی۔

سپاہ صحابہؓ کے بارے میں بات ہو رہی تھی کہ ہمیں ان کے طریق کار سے کبھی اتفاق نہیں رہا لیکن اس کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سپاہ صحابہؓ ایک رد عمل کا نام ہے جو مذکورہ بالا اسباب و عوامل کے نتیجے میں رونما ہوا۔ اس لیے ایکشن کو کنٹرول کیے بغیر صرف ری ایکشن پر قابو پانے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوئی اور نہ اب ہو سکتی ہے۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سربراہی میں وزیراعظم پاکستان کی قائم کردہ علماء کمیٹی نے کشیدگی کے اسباب وعوامل کی نشاندہی اور صورت حال کی اصلاح کے لیے تجاویز مرتب کرنے کا کام شروع کیا ہے تو

ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں تعاون کا یقین دلاتے ہوئے گزارش کرتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد اب تک سنی شیعہ کشیدگی میں مرحلہ وار اضافہ کے پورے "پراسس" کا جائزہ لیا جائے اور فریقین کے ان مطالبات پر بھی غور کر لیا جائے جو اس کشیدگی میں اضافہ کا باعث بنے ہیں۔ اگر واقعتاً کشیدگی پر قابو پانا ہے تو دونوں فریقوں کے سرکردہ رہنماؤں کو اپنے اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنا ہوگی اور سرکاری حکام کو بھی معروضی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ اور ٹھوس اقدامات کرنا ہوں گے ورنہ بصورت دیگر اگر مقصد صرف وقت گزارنا ہے تو وہ پہلے بھی گزر رہا ہے اور اب بھی گزر ہی جائے گا' اس کے لیے کمیٹی کے تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

امت مسلمہ کو اسلامی سال نو ۱۴۲۰ھ مبارک ہو

اسلامی تاریخ ہجری سن سے وابستہ ہے اس لیے سب مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلامی قمری سال کو ترویج دیں' لین دین' کاروبار اور دیگر ضروری معاملات کے ساتھ اسلامی تاریخ لکھیں۔ کاروباری ادارے اسلامی ہجری کیلنڈر اور ڈائریاں چھپوائیں اور اسلامی تاریخ وروایات کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ اسلام کو جلد از جلد دنیا پر غلبہ عطاء کریں اور حضرات صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر دنیا کو ایک بار پھر خلافت اسلامیہ کی برکات سے بہرہ ور فرمائیں۔ آمین یا الٰہ العالمین

منجانب: (مولانا) حسین احمد قریشی - بانی ودیگر ارکان ومعاونین الصحابہؓ اکیڈمی - بھوئی گاڑ - براستہ فاروقیہ ضلع اٹک

کسووو میں مسلمانوں سے سرب عیسائیوں کا ظلم

عالمی میڈیا' ٹی وی اور اخبارات کے مطابق کسووو میں مسلمانوں پر زبردست ظلم ہو رہا ہے۔ اجتماعی قبروں کی تصویریں دکھائی گئی ہیں۔ پناہ گزینوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب بتائی جا رہی ہے۔ پھر قتل عام اور آبرو ریزی بھی کھلے بندوں کی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ بھی سرب عیسائیوں نے ایسا ہی کیا تھا اور اقوام متحدہ کے علاوہ پوری دنیا خاموش تماشائی بنی رہی۔ دنیا کی تاریخ میں جنگوں کے واقعات اور مذہبی کشیدگی تو پہلے بھی ہوتی رہی مگر جس درندگی کا مظاہرہ سرب عیسائیوں نے کیا ہے' نیٹو اور دیگر ادارے جو امن کی چیمپئن بنے بیٹھے ہیں' جس بے حسی اور بے ضمیری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں' قابل افسوس ہے۔ سرب کمانڈر کہتے ہیں کہ جس قوم کی خواتین کو بے آبرو کیا جائے' وہ پھر سر اٹھانے کے قابل نہیں رہتی اس لیے عورتوں کو بے آبرو کرنا جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے مگر عیسائی پوری دنیا میں یہودی لابی کے اشارے پر استعمال ہو رہے ہیں جس کی سزا انہیں بھگتنا پڑے گی۔ تاریخ اپنے سینے میں بہت کچھ محفوظ رکھتی ہے۔ بہت دور کی بات نہیں بالکل قریب کی بات ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں کی سازش کا شکار ہو کر برصغیر کی تقسیم کے وقت سکھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم کیے تھے' اب سکھ قوم خود انہیں زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ سکھوں کی جانیں' عزتیں برباد ہونے اور دیگر مشکلات کے علاوہ ان کے مقدس گوردوار کی بے حرمتی اور تباہی ہوئی۔ اس عمارت کے اندر سکھوں کا قتل عام ہوا اور آج سکھ قوم اپنے ۱۹۴۷ء کے کیے پر پچھتا رہی ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ سرب عیسائی جس ڈگر پر چل نکلے ہیں' اس کا رد عمل بھی شدید ہوگا اور جس فصل کو یہ شوق اور تجربہ کی بنا پر بو رہے ہیں' انہیں بھی اس کا پھل چکھنا پڑے گا۔ اللہ کی بے آواز لاٹھی ہے' کل ہو سکتا ہے یہ جغرافیائی رکاوٹوں کو توڑ کر کچھ مسلمان اس کتاب کا اگلا ورق الٹ کر سربوں اور تماش بینوں کو پیش کر دیں گے۔ جن جوان بھائیوں کے سامنے ان کی بہنوں اور بچوں کی موجودگی میں ان کی ماؤں سے اور خاوندوں کے سامنے بیویوں کو بے آبرو اور قتل کیا جا رہا ہے' وہ بھی کل اسی رنگ میں سرب درندوں کو نقشہ پیش کر کے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کریں گے۔ آخر میں مسیحی مذہب کے راہنماؤں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اب مسیحیوں کو جناب یسوع علیہ السلام کی تعلیم کی طرف توجہ دلا کر ظلم اور بربریت' قتل وغارت اور خواتین کی آبرو ریزی سے باز رہنے کا درس دیں۔ اپنی مذہبی ذمہ داری کو پورا کریں' انسانیت پر ٹوٹنے والی مصیبتوں میں انسانوں کی مدد کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راہ نما بھی انہیں ظالموں کے ساتھ دھر لیے جائیں۔ امید ہے کہ اہل علم اور دانش مند حضرات اس سنگین معاملہ پر فوری توجہ دیں گے۔

(فقط ابو القاسم ڈاکٹر غلام محمد۔ ڈائریکٹر اسلامک سنٹر گوجرانوالہ)

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر

خلفاء راشدینؓ کی سنت

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یافتہ حضرات کا ہر ایک فرد اپنے مقام پر آفتاب ہدایت کا درخشاں ستارہ اور سماء علم کا روشن کوکب ہے۔ مگر یہ بات کسی طرح نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جیسا فیض آپؐ سے حضرات خلفاء اربعہؓ کو نصیب ہوا' مجموعی لحاظ سے وہ کسی کو حاصل نہ ہو سکا اور انہی کے وجود مسعود سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا:

"وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ (آپ کے بعد) حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو' اور ثابت کر دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن' میری بندگی کریں گے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے بعد' سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔" (پ ۱۷۔ سورۃ النور۔ رکوع ۷)

"خطاب فرمایا حضرت کے وقت لوگوں کو جو ان میں نیک ہیں پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو پسند ہے' ان کے ہاتھوں سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ۔ پر جو کوئی اس نعمت کی ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا' جو کوئی ان کی خلافت سے منکر ہوا' اس کا حال سمجھا گیا۔" انتہی (موضح القرآن ص ۵۹۲)

لفظ استخلاف میں اشارہ ہے کہ وہ حضرات محض دنیوی سلاطین اور ملوک کی طرح نہ تھے بلکہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کرنے والے اور دین حق کی بنیادیں جمانے والے تھے جنہوں نے خشکی اور تری میں دین اسلام کا سکہ بٹھایا۔ حتیٰ کہ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا مطلقاً خوف ورعب باقی نہ رہا۔ وہ کامل اطمینان اور امن سے اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہے اور ان کی یہ شان رہی کہ ان کی بندگی میں شرک جلی تو کیا راہ پاتا' شرک خفی کی آمیزش بھی نہ تھی۔ یہ بات انصاف اور قیاس سے بالکل بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ان کو اپنے دین حق کی ترویج واشاعت کے لیے زمین کی خلافت اور نیابت سپرد کر دے اور وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کے اعتماد واعتبار سے محروم رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معیار حق گردانتے ہوئے ہمیں ان کی اتباع اور پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص میرے بعد زندہ رہا' وہ بہت ہی زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پہ لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدینؓ کی سنت کو' جو ہدایت یافتہ ہیں' مضبوط پکڑو اور ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو میں رکھو اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (ترمذی ج ۲ ص ۹۲۔ ابن ماجہ ص ۵۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۶۔ مسند دارمی ص ۲۶۔ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷ اور مستدرک ج ۱ ص ۹۵) (امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے)

حضرت ملا علی القاریؒ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں

"اس لیے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے در حقیقت آپ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس اور استنباط کر کے اس کو اختیار کیا۔"

اس لیے معلوم ہوا کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے جو کام اپنے فقہ وقیاس اور اجتہاد واستنباط سے سمجھ کر اختیار کیا ہے' وہ بھی سنت ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت امت کو اس کے تسلیم کرنے سے بھی ہرگز چارہ نہیں اور وہ اس سنت کو تسلیم کرنے کی بھی پابند ہے۔ اور شاہ عبد الحق صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

"جس چیز کے بارے حضرات خلفائے راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وہ حکم ان کے قیاس واجتہاد سے صادر ہوا ہو' وہ بھی سنت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے۔"

مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی

حصول علم مرد اور عورت کی مشترکہ ذمہ داری ہے

تبلیغ کا کام واصلاح مرد کے ذمہ ہے۔ تاہم عورتیں بھی اپنے ماحول میں اسی وقت تبلیغ دین کا کام سرانجام دے سکیں گی جب ان کے پاس معقول علم ہوگا۔ اور اگر عورتوں کو تعلیم ہی نہیں دی گئی تو وہ اچھائی کی تلقین کیسے کریں گی۔ اس لیے تعلیم کو انسان کے بنیادی حقوق میں شمار کیا گیا ہے۔ طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم "علم کا حصول ہر مسلمان کا فرض ہے۔" اس کے ساتھ مسلمة کا لفظ بھی لگاتے ہیں مگر اس کی ضرورت نہیں۔ بنیادی تعلیم کا حصول دونوں پر فرض ہے اور بنیادی تعلیم وہ ہے جس سے انسان اپنا عقیدہ درست کر سکے' حقوق وفرائض کو پہچان سکے اور پھر اس کے مطابق عمل کر سکے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت دنیا کی اکثر آبادی اعراف میں ہے۔ چھوٹے طبقات کسان' مزدور وغیرہ تک دین کی بات نہیں پہنچتی۔ ان کی تعلیم کا حکومت کوئی انتظام نہیں کرتی' حالانکہ ہر شخص کے لیے تعلیم جبری ہونی چاہیے اور پھر اس میں دینی تعلیم کو مقدم رکھا جائے تا کہ ہر شخص اپنے فرائض کو پہچان کر ان پر عمل پیرا ہو سکے۔

اس وقت دنیا میں برائی کی ابتدا عورت سے ہوتی ہے۔ یہ تو مردوں کا کام ہے کہ عورت کی صحیح تربیت کریں اور ان کو ایسی تعلیم دیں کہ برائی کا قلع قمع ہو سکے مگر اس کے برخلاف یہ مرد ہی ہیں جو عورت کو خود گھسیٹ کر برائی کے راستے پر لے جاتے ہیں۔ اگر مرد عورتوں کو صحیح راستے پر چلانا چاہیں تو یہ عین ممکن ہے کہ اگر مرد ہی بے دین ہوں' ہر وقت عیاشی اور فحاشی کی باتیں کریں تو عورت بھی ویسی ہی ہوگی۔ اچھائی کی تلقین کرنے کے لیے پہلے اچھائی سے واقفیت ضروری ہے اور یہ اچھی تعلیم سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حصول علم مرد اور عورت دونوں کے فرائض میں داخل ہے۔

فرمایا' مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اس زمانے میں معاملہ بالکل الٹ ہو چکا ہے۔ اب مسلمان آپس میں مشابہ ہونے کی بجائے دوسری اقوام سے اس قدر مشابہ ہیں کہ مسلم اور کافر میں امتیاز ہی نہیں ہو سکتا۔ کون کس سوسائٹی کا ممبر ہے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اب تو تشابہ فی الاخلاق عیسائیوں اور کافروں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اب تو نیکی کی بجائے برائی کی تلقین میں مسلمانوں پیش پیش ہیں۔ کھیل تماشا' سود خوری' برائی اور بدکاری' شرک اور بدعات' رسومات باطلہ اور لغویات مسلمانوں کے پسندیدہ مشاغل ہیں اور انہی کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ آج برائی کا اشتہار مسلمان دے رہا ہے۔ اس معاملے میں تو مسلمان یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی مات کر گئے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صفت موجود رہے گی' ہم زندہ رہیں گے۔ ہماری قوم زندہ رہے گی۔

بقیہ : محرم الحرام اور شہداء کی یاد

پیٹ سے اگل کر پانی سے باہر ڈال دیا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی وغیر ذلک۔ اگر یہ روایات درست ہوں تو کوئی انکار نہیں ہے اور درست نہ ہوں تو کوئی اصرار بھی نہیں ہے مگر بنی اسرائیل والی روایت تو بخاری شریف میں ہے' اس کے علاوہ دس محرم کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ اور نواسے امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا' جنہیں خاندان نبوت کے دیگر معصوم افراد سمیت اس روز کربلا کے میدان میں مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ امام حسینؓ سمیت خانوادۂ نبوت کے افراد کی یہ مظلومانہ شہادت ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے اور مختلف گروہ اس کی یاد اپنے اپنے انداز سے مناتے ہیں۔

ہمارے نزدیک دن منانے اور اس طرح کی دیگر رسموں کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ بزرگوں کو یاد کرنا' ان کی خدمات کا تذکرہ کرنا اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کرنا' ان بزرگوں کا ہم پر حق ہے جو ہمیں ہر وقت ادا کرتے رہنا چاہیے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہوں' ان کی اصل یاد یہ ہے کہ ان کی قربانیوں اور خدمات کو یاد کیا جائے' ان کے مشن اور جدوجہد کا ادراک حاصل کیا جائے' ان کے نقش قدم پر چلنے کے عزم کو دہرایا جائے اور ان کے اسوہ وسیرت پر چلنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔

مولانا زاہد الراشدی

محرم الحرام اور شہداء کی یاد

نئے ہجری سال کے آغاز پر پاکستان شریعت کونسل پنجاب کے سیکرٹری جنرل مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر نے مسجد امن باغبان پورہ لاہور میں ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں کونسل کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے خطاب کیا۔ ان کے خطاب کا خلاصہ درج ذیل ہے (ادارہ)

بعد الحمد و الصلوۃ

آج یکم محرم الحرام ہے جو نئے ہجری سال کا پہلا دن ہے۔ ہجری سن کا آغاز جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ہوتا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے جس سال مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی، وہاں سے ہجری سن شروع ہوتا ہے اور سن چودہ سو بیس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہجرت کو چودہ سو انیس سال پورے ہو چکے ہیں اور بیسواں سال شروع ہے۔ ہجری نبویؐ سے اسلامی سن کے آغاز کا حکم سب سے پہلے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دیا تھا اور اس کے بعد سے ہماری اسلامی تاریخ اسی حساب سے چلی آرہی ہے۔

ہجری سن قمری حساب سے ہے۔ دنیا میں سورج اور چاند کی گردش کے حساب سے دو قسم کے سن رائج ہیں۔ سورج کی گردش کے لحاظ سے جو سن رائج ہے، وہ شمسی کہلاتا ہے اور جنوری، فروری، مارچ وغیرہ مہینے اسی سن کے مہینے ہیں جبکہ چاند کی گردش کے حساب سے جو سن مروج ہے، وہ قمری کہلاتا ہے اور محرم، صفر، ربیع الاول وغیرہ اس سن کے مہینے ہیں۔ مروجہ شمسی سن ۱۹۹۹ عیسوی اور میلادی سن کہلاتا ہے، اس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہوتا ہے اور انیس سو ننانوے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو اتنے سال گزر چکے ہیں اور ان کی عمر اب دو ہزار سال کے لگ بھگ ہو گئی ہے۔ دنیا میں اوقات اور ایام کے تعین کے لیے سورج اور چاند دونوں کی گردش کا حساب چلتا ہے۔ البتہ سورج کی گردش والا سال چاند کی گردش والے سال سے چند دن بڑا ہوتا ہے اور گرمی سردی کے موسم بھی اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ اس لیے چاند کی گردش والا سال موسم کے حساب سے بدلتا رہتا ہے۔

اسلام میں سورج اور چاند دونوں کی گردش کا اعتبار ہے۔ اور شرعی احکام اور عبادات میں دونوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ دنوں اور مہینوں کا تعین چاند کے حساب سے ہوتا ہے جبکہ اوقات کا تعین سورج کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ پانچ وقت کی نماز کے اوقات سورج کی گردش کے ساتھ طے پاتے ہیں۔ فجر کی نماز طلوع شمس سے پہلے، ظہر کی نماز زوال کے بعد، عصر کی غروب سے پہلے، مغرب کی غروب آفتاب کے بعد اور عشاء کی نماز شفق کے خاتمہ پر پڑھی جاتی ہے اور ان سب اوقات کا تعین سورج کی گردش کے ساتھ ہے۔ البتہ رمضان المبارک، عیدین، ۱۰ محرم، حج کے ایام اور دیگر دنوں کا تعین چاند کے حساب سے ہوتا ہے۔ اب روزے میں دیکھ لیجئے، روزہ کے دنوں کا تعین چاند کے حساب سے کریں گے مگر روزے کے اوقات کا حساب سورج کے ساتھ لگائیں گے۔ سحری کا وقت سورج طلوع ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے تک ہے اور افطاری کا وقت سورج غروب ہونے پر ہوتا ہے، اس طرح حج کے دنوں کا تعین تو قمری اعتبار سے ہوگا مگر حج کے ارکان وافعال کا وقت سورج کے حساب سے طے پائے گا کہ عرفات کب جانا ہے، مزدلفہ کب جانا ہے، رمی کب کرنی ہے، یہ سب معاملات سورج کی گردش کے ساتھ طے ہوں گے۔ الغرض شرعی احکام ومعاملات میں سورج اور چاند دونوں کی گردش کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ دنوں کی تعیین چاند کے ساتھ اور اوقات کی تعیین سورج کے ساتھ ہوگی اور ہماری تمام عبادات واحکام اس حساب سے چلتے ہیں۔ اس فرق میں کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مثلاً رمضان کا تعین اگر سورج کی گردش کے حساب سے طے کیا جائے تو وہ جو مہینہ بھی طے پائے گا، وہ ایک ہی موسم میں ہمیشہ آئے گا۔ اور مختلف موسموں کے روزوں کا لطف نصیب نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر اکتوبر کا روزہ روزوں کے لیے مخصوص ہوتا تو وہ ہر سال اسی موسم میں آتا جبکہ قمری حساب سے رمضان المبارک کے تعین سے یہ تنوع حاصل ہوتا ہے کہ مختلف موسموں کے روزے مل جاتے ہیں اور ایک مسلمان بالغ ہونے کے بعد پچاس برس کی عمر تک سال کے ہر موسم کے روزے رکھ لیتا ہے۔ ٹھنڈے بھی، درمیانے بھی اور گرم بھی۔ اور اس طرح تنوع قائم رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دل چسپ بات عرض کرنا

چاہتا ہوں کہ جن دنوں ہمارے ہاں جولائی اور اگست کے روزے تھے، قومی اخبارات میں ایک صاحب کی طرف سے تجویز چھپی کہ جون، جولائی کے روزے بھٹی پر کام کرنے والے مزدور اور کھیتی میں محنت کرنے والے کاشتکار کے لیے بہت مشکل ہیں اس لیے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ "اجتہاد" کر کے رمضان المبارک کو کسی مناسب موسم کے ساتھ مخصوص کر دیں۔ ان صاحب کی تجویز یہ تھی کہ فروری کے مہینہ کو رمضان المبارک قرار دے دیا جائے اور یکم مارچ کو عید الفطر کے لیے مقرر کر دیا جائے اس طرح نہ صرف روزے مناسب موسم میں مخصوص ہو جائیں گے بلکہ عید کا جھگڑا بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ میں نے اس زمانے میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تھا کہ اس غریب کو اپنی تجویز کا تیسرا فائدہ یاد نہیں رہا کہ تیسویں روزے سے ہمیشہ کے لیے چھٹی مل جائے گی۔ اور ۳۹ واں روزہ بھی چار سال کے بعد آئے گا۔ ہمارے ہاں اس بات کو لوگوں نے اجتہاد سمجھ رکھا ہے کہ دین کے جس مسئلہ پر عمل میں کچھ مشکل محسوس ہو، اس میں اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق رد وبدل کر لیا جائے۔ حالانکہ یہ اجتہاد نہیں، خالص الحاد ہے۔ اور پہلی امتوں نے اسی طرح آسمانی مذاہب کا حلیہ بگاڑا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں روایات نقل کی ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی رمضان المبارک ہی کے روزے فرض تھے جو قمری سن کا مہینہ ہے اور موسم کے حساب سے مختلف موسموں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اس زمانے میں بھی جون اور جولائی کے روزے لوگوں کو گراں گزرے تھے اور انہوں نے اپنے علماء کرام سے گزارش کی تھی کہ وہ انہیں شدید گرمی کے روزوں سے نجات دلائیں، بنی اسرائیل کے علماء کرام ہماری طرح کے "ضدی" اور "ہٹ دھرم" نہیں تھے بلکہ "عوام دوست" اور "روشن خیال" تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی عوام کی بات مان لی اور رمضان المبارک کے روزوں کو سردی کے موسم میں مخصوص کر دیا البتہ تھوڑی سی شرم وحیا موجود تھی اس لیے تیس روزوں کے اٹھائیس نہیں کیے بلکہ یہ طے کیا کہ تیس روزے تو پورے رکھیں گے اور یہ جو گڑبڑ ہم کر رہے ہیں، اس کے کفارے کے طور پر دس روزے مزید بھی رکھا کریں گے۔ چنانچہ مذہبی عیسائیوں کو دیکھ لیں کہ وہ سردیوں میں روزے رکھتے ہیں اور چالیس روزے رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بنی اسرائیل کی راویات کے حوالہ سے اس کا یہ پس منظر بیان کیا ہے۔

الغرض بات یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام میں حسابات و معاملات طے کرنے اور عبادات کی ادائیگی کے لیے سورج اور چاند دونوں کی گردش کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس فرق کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مہینوں اور دنوں کا تعین چاند کے حساب سے ہوگا اور اوقات سورج کی گردش کے ساتھ طے پائیں گے اور اس میں حکمت بھی ہے کہ روزہ اور حج میں مختلف موسموں کا تنوع قائم رہتا ہے۔

یہاں دو مسئلے بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک یہ کہ چاند کی گردش میں چونکہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لیے چاند کے طلوع وغیرہ کا حساب رکھنا فرض کفایہ ہے اور ہر علاقہ کے کچھ لوگوں کو اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے۔ جس طرح ہمارے ہاں رؤیت ہلال کمیٹی ہے جس میں سرکردہ علماء کرام اس کا حساب رکھتے ہیں اور چاند دیکھ کر اس کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر اس کا کوئی اہتمام بھی کسی علاقہ میں نہ ہو تو وہاں کے سب مسلمان گنہگار ہوں گے۔ دوسرا مسئلہ زکوٰۃ کے حوالہ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں عام طور پر کاروبار وغیرہ کے حسابات جنوری فروری کے شمسی سال کے مطابق رکھے جاتے ہیں اور چونکہ سرکاری محکموں کے ساتھ سابقہ درپیش ہوتا ہے اس لیے حسابات میں شمسی سال کا لحاظ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے مگر زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص شمسی سن یعنی جنوری فروری کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے گا تو تیس پینتیس سال کے عرصہ میں اس کی ایک سال کی زکوٰۃ بھی ماری جائے گی کیونکہ اتنے عرصہ میں قمری سال کی گنتی شمسی سالوں سے ایک سال بڑھ جاتی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کی جائے۔

حضرات محترم! یہ چند گزارشات ہجری سن کے آغاز کی مناسبت سے عرض کی ہیں۔ اس کے علاوہ محرم الحرام کے ساتھ ہماری کچھ تاریخی یادیں بھی وابستہ ہیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے ہجرت سے اسلامی سن کے آغاز کا حکم دیا تھا، ان کی شہادت یکم محرم کو ہوئی ہے۔ اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق فرعون کے ظلم سے بنی اسرائیل کو نجات دس محرم کو حاصل ہوئی تھی جب فرعون اپنے لشکر سمیت بحیرہ قلزم میں غرق ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ سمندر عبور کر گئے تھے۔ اس مناسبت سے مدینہ منورہ کے یہودی دس محرم کو شکرانے کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ البتہ آخری سال یعنی ۱۰ ہجری کو فرمایا کہ یہودیوں کے ساتھ اس روزے میں فرق رکھنا چاہیے، اس لیے آئندہ سال دس محرم کے ساتھ ایک اور روزہ ملاؤں گا۔ چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس دن روزہ رکھنا مسنون ہے مگر تنہا اس دن کا روزہ رکھنے کی بجائے اس کے ساتھ نو یا گیارہ محرم کا روزہ بھی ملا لینا چاہیے۔

عاشوراء کے بارے میں بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ۱۰ محرم کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہوئی تھی، حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے اپنے

بقیہ صفحہ ۱۰ پر

مولانا احمد علی سراج کویت

منکرین حدیث کی سرگرمیاں اور ان کا تعاقب

شیخ الحدیث حضرت مولانا سراج الدین دامت برکاتہم آف ڈیرہ اسماعیل خان کے فرزند مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج ایک عرصہ سے کویت میں مقیم ہیں اور دینی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے کویت میں منکرین حدیث کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں دیکھ کر وزارت اوقاف کو ان کے بارے میں دینی حلقوں کے موقف سے آگاہ کیا جس پر ان کی سرگرمیوں کو کویت میں ممنوع قرار دے دیا گیا مگر اس فیصلہ کے خلاف منکرین حدیث نے اپیل دائر کر دی کہ ان کے حوالہ سے مولانا احمد علی سراج کے موقف کو پاکستان کے دینی حلقوں کی تائید حاصل نہیں ہے اور ان کی درخواست ان کے ذاتی عناد کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ مولانا احمد علی سراج کی استدعا پر پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی اور جمعیت اتحاد العلماء پاکستان کے صدر مولانا عبد الملاک خان نے منکرین حدیث بالخصوص چودھری غلام احمد پرویز کے افکار وخیالات کے بارے میں ازسرنو لاہور کے تمام مکاتب فکر کے اکابر علماء کرام سے متفقہ فتویٰ حاصل کیا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وحدیث کی حجیت سے انکار کرنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اس فتویٰ کی بنیاد پر کویت کی عدالت نے وزارت اوقاف کے فیصلہ کے خلاف منکرین حدیث کی اپیل خارج کر دی ہے۔ اس صورت حال کی تفصیل مولانا زاہد الراشدی کے نام مکتوب میں مولانا احمد علی سراج نے بیان کی ہے جو نذر قارئین ہے۔ (ادارہ)

میں آپ کا انتہائی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری درخواست پر غلام احمد پرویز کے باطل وملحدانہ اور خلاف اسلام افکار ونظریات کے بارے میں اپنی علمی رائے اور فتویٰ سے نوازا۔ اس دینی مشن میں آپ کا تعاون انتہائی قابل قدر اور اہمیت کا حامل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ باطل کے خلاف اہل حق نہ صرف ہم آواز ہیں بلکہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں تا کہ کوئی طالع آزما اسے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دین حق کی حفاظت کے لیے علماء کرام ہر دور میں پیش پیش رہے ہیں اور اس راستے کی رکاوٹ اور مخالفت کا انہوں نے ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ جس کے لیے توفیق ایزدی کا جتنا شکر ادا کیا جائے' کم ہے۔

کویت میں فتنہ پرویزیت کی وسعت پذیری اور نوجوانوں کو اس دجل میں ٹریپ ہوتے دیکھ کر تشویش دن بدن بڑھ رہی تھی جس کی روک تھام کے لیے بندہ نے وزارۃ الاوقاف کویت کے دار الافتاء سے رجوع کیا اور پرویز کی تحریروں کے گمراہ کن اقتباسات کا عربی میں ترجمہ کروا کر فتویٰ کے لیے پیش کیا۔ چنانچہ علمائے کرام کویت کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے غلام احمد پرویز کو کافر ومرتد قرار دیا جس کی روداد کویت کے معروف اور باثر عربی اخبارات نے تفصیلا شائع کی اور اپنے تبصروں میں خلاف اسلام پرویزی سرگرمیوں سے خبردار کیا جس سے رائے عامہ بہت متاثر ہوئی۔

پرویزیوں نے اپنے لاہور کے ہیڈ کوارٹر اور کویت کے لوکل آفس سے خوب واویلا کیا اور وزارۃ الاوقاف کویت کو اپنا فیصلہ بدلنے کے لیے ہر طرح سے متاثر کرنے کی کوشش کی اور آخر کار عدالت سے بھی رجوع کیا اور میرے اقدام کو ذاتی دشمنی کا رنگ دیتے ہوئے اپنی رٹ میں ملوث کر دیا۔ اس مرحلہ پر پرویزی فتنہ سے آگاہ دیگر علمائے کرام کے فتاویٰ اور آراء کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ وزارۃ الاوقاف کویت اور عدالت اس موضوع کی حقیقت کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور پرویزیوں کے خلاف میری تحریک کو محض ذاتی شاخسانہ خیال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے پاکستان' انڈیا' بنگلہ دیش' سعودی عرب اور امارات میں معروف علمائے کرام جن میں آپ کی محترم شخصیت بھی شامل ہے' سے رابطہ قائم کیا گیا جنہوں نے انتہائی شفقت اور عزت افزائی فرماتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں اپنی قیمتی اور علمی رائے پر مشتمل فتویٰ جات سے نوازا جو یہاں وزارۃ الاوقاف کویت میں یکے بعد دیگرے جمع کروا دیے گئے اور نصرت الٰہی سے ہمارا کیس بہت مضبوط ہو گیا جس کے نتیجے میں عدالت نے پرویزیوں کے کیس کو خارج کر دیا اور اس طرح سے ماضی کے عظیم علمائے کرام کے تاریخی فتاویٰ کے بعد اب سرکاری طور پر پرویزی افکار ونظریات وکفر وارتداد کی مہر ثبت ہو گئی اور یقیناً اس عظیم تاریخی مشن میں آپ کا بھی مقبول حصہ ہے جس کے لیے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اس موضوع پر آپ کے ذاتی فکر اور تعاون کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ہمارا یہ مشن ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی تو پہلی کامیابی سے ابتداء ہوئی ہے۔ پرویزی فتنہ وہ نہیں جو ایوبی دور میں تھا۔ اس وقت کی نشر واشاعت محض کتابوں تک محدود تھی اور اس کی سرگرمیوں کے دائرہ کار کا محور گلبرک لاہور کی وہ پرویزی رہائش گاہ تھی جہاں بزم طلوع اسلام نامی مرکز قائم کیا گیا تھا جس کی حیثیت ایک مستقل عنوان کی تھی لیکن آج یہ عنوان پرویز یاترا کے ہیڈ آفس عنوان کے طور پر قائم تو ہے لیکن پرویزی لٹریچر الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے دنیا بھر میں کسی بھی مقام اور گھر میں انٹرنیٹ پر نہ صرف دیکھا جا سکتا ہے بلکہ مستقل طور پر باسانی محفوظ بھی کیا جا سکتا ہے جس کا پھیلانا دقت طلب ہے نہ وقت طلب۔ دجل کے اس ذخیرے کو اس خوبصورتی سے پیش کیا ہے کہ آج کا آزاد ذہن اصل اسلام سے ناواقفیت کی بناء پر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ منصوبہ بندی سے وضع کیے ہوئے سوالات اور پرویزی سانچے میں ڈھلے ہوئے ریڈی میڈ جوابات انٹرنیٹ پر نئے دیکھنے والوں کے لیے پرکشش ہیں اور اس طرح سے ایک بار اس جال میں پھنسا ہوا ذہن مشکل ہی سے اس الحاد سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔ پاکستان اور دنیا بھر میں جگہ جگہ پرویزی مراکز کا جال بچھا دیا گیا ہے جہاں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ مستقل پروگرام کے شیڈول پر عمل جاری ہے۔ جس میں ویڈیو اور آڈیو کیسوں کے ذریعے پرویز کے لیکچر پیش کیے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ترغیبی لٹریچر فری بانٹا جاتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پرویزی بنا کر دین اسلام سے دور کر دیا جائے۔ سیاسی تہواروں کی آڑ میں سیمینار منعقد کر کے مقتدر شخصیات کو مدعو کیا جاتا ہے جن سے پرویزیت کی تعریف میں بیان دلوا کر لوگوں کو متاثر کر کے اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ ان سیمیناروں میں نوجوان طلباء کو خصوصی طور پر دعوت دی جاتی ہے تا کہ نوخیز نسل کی ذہن سازی اس طرح کر دی جائے کہ وہ دین اسلام کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ مشنری طرز پر طلباء کو وظائف پیش کیے جاتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ یلٹ پرویزیت سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اعلیٰ منصب پر فائز فوجی وسول حکام اور بیورو کریسی پرویزیت کے خاص ٹارگٹ ہیں جن میں پرویزی افکار کو منظم طریقے سے پھیلایا جا رہا ہے۔ تعلیمی اداروں کو اقبال اور قائد اعظم کی برسیوں کی آڑ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں دانشوروں کے طبقہ میں پرویزی عقائد کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور اس طرح سے مسلم امہ میں ایک پرویزی کلاس تشکیل کرنے کی مہم پوری سرگرمی سے جاری وساری ہے۔ لاہور کے جوہر ٹاؤن کے علاقہ میں برلب نہر وسڑک کروڑوں روپے کی وسیع اراضی طلوع اسلام ٹرسٹ کے نام سے حاصل کی گئی ہے جہاں آغا خانی طرز پر جدید کمپلیکس کی تعمیر شروع کرنے کا منصوبہ آخری مراحل میں ہے جو کثیر النوع سرگرمیوں کو فروغ دینے کا مضبوط اور با اثر مرکز ہوگا تا کہ پرویزی تحریک کو آفاقی تحریک میں بدل کر اسلام کی بیخ کنی کا کام آسان ہو جائے۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اتنی وسیع اراضی کس طرح حاصل کی گئی۔ اس اسلام دشمن پراجیکٹ کے پیچھے کون سی قوت کار فرما ہے اور اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے پاکستان میں اسلام سے منحرف کرنے کے لیے پرویزیوں کو کون فنڈز مہیا کر رہا ہے۔ پرویزی تحریک جو غلام احمد پرویز کی رہائش گاہ کی چار دیواری تک محدود تھی، آج کس قوت کی پشت پناہی سے عصر حاضر کی جدید ترین میڈیا ٹیکنالوجی تک رسائی حاصل کر کے عالمی سطح پر انتہائی منظم طریقے سے متحرک ہو گئی ہے۔ اس کے آخر کیا وسیع المیاد مقاصد ہیں۔

ہادی برحق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو جس کی آبیاری خود ان کے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقدس خون سے ہوئی، آج بے بس کرنے کے لیے باطل قوتیں مجتمع ہو رہی ہیں جو اہل ایمان کے لیے عظیم چیلنج ہیں اور اس مقصد کے لیے اسلام کے علمائے کرام میں اجتماعی بیداری پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ نوجوانوں کو کفر کی آغوش میں جانے سے بچایا جا سکے اور پرویزی فتنے کی موثر سرکوبی کے لیے لائحہ عمل طے کیا جا سکے جس پر عمل پیرا ہو کر دین حق کی شناخت کو قائم رکھنے کی سعادت میں اپنا کردار ادا کیا جا سکے۔ اس صدیقی مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ہم آپ کے تعاون کے متمنی ہیں اور آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

---------- بقیہ : اسلام کا تصور ملت ----------

دائرہ اسلام سے خارج ہونے لگے۔ تقسیم در تقسیم سے ملت مسلمہ اتنے گروہوں میں بٹ گئی کہ آج شمار مشکل ہو گیا اور ہر گروہ کو عقل مند ہونے کا دعویٰ ہے۔

عصبیتوں میں مہلک ترین عصبیت فتنہ ہم عصریت ہے کہ انسان کے اندر دوسرے انسانوں کے درمیان اپنی گردن (ابوجہل کی طرح) اونچی دیکھنے، اپنی بات دوسروں کے مقابلے میں معتبر دیکھنے کا جبلی تقاضا اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ اس کے غلبہ سے علماء تک متاثر ہوتے ہیں اور پھر یہی غلبہ ان سے دوسروں پر کفر کے فتوے لگواتا ہے۔ یہی جذبہ ایم کیو ایم اور پختون و بلوچ اور سندھی کو جنم دیتا ہے۔ یہی جذبہ پنجابی سے آگے بڑھتا ہے تو گجراتی، سیالکوٹی وغیرہ بنتے ہیں اور یہ جذبہ ضد کی صورت اختیار کر کے کالا باغ ڈیم کے راستے میں "سد سکندری" ثابت ہوتا ہے تو یہی جذبہ برادریوں کے تعصب کی صورت میں نسلوں تک منتقل ہونے والی قتل وغارت کو جنم دیتا ہے۔ عصبیت انفرادی ہو، برادری کی سطح پر ہو یا ملکی سطح پر، ایک جیسی مہلک ہے اور یقین جانیے کہ یہ ابلیس کا موثر ترین ہتھیار ہے۔

طاہر نوید چوہدری

انڈونیشیا اور ایسٹ ٹمور

سہارتو کے زوال کے بعد انڈونیشیا اس وقت سول وار سے دوچار ہے۔ اس کے طویل آمرانہ اقتدار کے دوران جبر وتشدد کے ذریعے دبائی گئی سیاسی بے چینی، معاشی ناہمواری اور احساس محرومی کی چنگاری شدید معاشی بحران کے بعد ایسی آگ کی صورت بھڑک اٹھی ہے کہ جس کے شعلوں کی لپیٹ میں پورا ملک آچکا ہے۔ سہارتو Regime نے جو Oligarchy قائم کر رکھی تھی، اس کے نتیجے میں ملک اب مکمل تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ معاشی عدم استحکام کے بعد مزید پولیٹیکل ریفارمز کے لیے شروع ہونے والے پر تشدد احتجاجی مظاہرے اب نسلی اور مذہبی فسادات کا رخ اختیار کر چکے ہیں جس کی وجہ سے صورت حال ایسی گھمبیر ہو گئی ہے کہ اس سے نپٹنے اور لا اینڈ آرڈر کو بحال رکھنے میں موجودہ حکومت بالکل ناکام اور بے بس نظر آتی ہے۔ ملک کے مشرقی صوبے Maluka اور اس کے دارالحکومت امیون میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خونریز تصادم کے نتیجے میں دو سو سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ لوگوں کے گھروں کے علاوہ چرچ اور مساجد کو نذر آتش کیا جا چکا ہے۔ ادھر جزیرہ بورنیو میں ہو رہے بد ترین نسلی فسادات میں اب تک ۱۵۰ افراد مارے گئے ہیں اور ہزاروں لوگ بے گھر ہو کر دوسری جگہوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مذہب اور نسل کے نام پر قتل وغارت اور لوٹ مار کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اس کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے صوبے Jays، Lrian اور Aceh کے علاوہ دیگر علاقوں میں خود مختاری اور علیحدگی کی تحریکیں بھی زور پکڑ رہی ہیں۔ سہارتو نے Aceh میں ۱۹۸۹ء میں مارشل لا لگا دیا تھا۔ اس وقت انڈونیشیا کو سب سے اہم ایسٹ ٹمور East Timor کا مسئلہ درپیش ہے جہاں انڈونیشیا کا ۲۴ سالہ قبضہ خاتمے کے قریب ہے۔ ٹمور جزیرہ کا مشرقی حصہ ایسٹ ٹمور کہلاتا ہے۔ اس کا کیپسل ڈلی Dilli ہے اور یہاں کی زیادہ تر آبادی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱۵۲۰ء میں سب سے پہلے پرتگالی ٹمور جزیرہ میں صندل کی لکڑی کی تجارت کے لیے آئے تھے اور پھر ۱۵۲۲ء میں ہسپانوی بھی یہاں آپہنچے مگر وہ یہاں اپنے قدم جما نہ سکے۔ ۱۶۱۳ء میں ولندیزی جزیرہ کے مغربی حصہ پر قابض ہو گئے جو ڈچ ٹمور کہلایا جبکہ پرتگال کے قبضہ میں مشرقی حصہ کو پرتگالی ٹمور کہا جانے لگا۔ یوں ٹمور پر قبضہ کے لیے آئندہ صدیوں میں دونوں کلونیکل پاورز کے درمیان اکثر لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس دوران ۱۸۱۲ء سے لے کر ۱۸۱۵ء تک مختصر عرصہ کے لیے اس جزیرہ پر برطانیہ کی بھی حکومت رہی۔ پھر بالآخر پرتگال اور ہالینڈ کے درمیان ٹمور کی تقسیم کے لیے ۱۸۵۹ء، ۱۸۹۳ء اور ۱۹۰۴ء میں اس پر باقاعدہ عمل درآمد ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران پورے ٹمور جزیرے پر جاپان نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں جزیرے کا مغربی حصہ یعنی ڈچ ٹمور انڈونیشیا میں شامل کر دیا گیا لیکن پرتگالی ٹمور یا ایسٹ ٹمور بدستور پرتگال کی کالونی بنا رہا۔ پھر ۱۹۵۱ء میں پرتگال نے ایسٹ ٹمور کو اپنا سمندر پار صوبہ بنا لیا اور ۱۹۷۵ء تک یہ پرتگال کا ہی حصہ رہا اس دوران پرتگال سے آزادی کے لیے جو جدوجہد ہو رہی تھی، اس کے نتیجے میں ایسٹ ٹمور کے نام سے آزادی کا اعلان کر دیا لیکن اس کے فورا بعد ہی انڈونیشیا کی فوج ایسٹ ٹمور میں داخل ہو گئی اور ۱۹۷۶ء میں اسے انڈونیشیا کا ۲۷ واں صوبہ بنا دیا گیا لیکن یو این او نے ایسٹ ٹمور پر انڈونیشیا کے قبضہ کو تسلیم نہیں کیا۔

سہارتو کے بعد انڈونیشیا میں پیدا ہوئے بحران کے بعد ایسٹ ٹمور کا مسئلہ عالمی سطح پر توجہ کا باعث بنا ہوا ہے اور یہاں آزادی کا مطالبہ شدت اختیار کر چکا ہے اور اس مسئلہ پر یو این او کے تحت انڈونیشیا اور پرتگال کے درمیان پھر سے مذاکرات ہو رہے ہیں لیکن حال ہی میں انڈونیشیا کے صدر بی جے حبیبی نے ایسٹ ٹمور کو مکمل آزادی دینے کا اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا ہے۔ صدر حبیبی کے مطابق اگر ایسٹ ٹمور خود مختاری کی پیشکش کو قبول کرتا ہے تو پھر ایک سال کے اندر ایسٹ ٹمور کو مکمل آزادی دی جا سکتی ہے لیکن اس کا فیصلہ آئندہ الیکشن میں منتخب نے والی پارلیمنٹ کرے گی۔

ادھر صورت حال یہ ہے کہ خود ایسٹ ٹمور کی لیڈر شپ بھی اتنی جلدی مکمل آزادی کے لیے ابھی تیار نہیں ہے۔ ایسٹ ٹمور کے کچھ لیڈر مکمل آزادی سے قبل اسے کم از کم دو سال تک یو این او کے زیر انتظام رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اس دوران لا اینڈ آرڈر پر قابو پانے کے علاوہ حکومتی مشینری اور انتظام کو سنبھالنے کا تجربہ بھی حاصل ہو سکے۔ جبکہ نظر بند لیڈر Xahana Gusamo مکمل آزادی کے حق میں ہیں۔ انہوں نے ۱۷ سال تک انڈونیشیا کے خلاف گوریلا موومنٹ چلائی تھی مگر ۱۹۹۲ء میں انہیں

گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا اور اب حکومت نے انہیں ایک گھر میں نظر بند کیا ہوا ہے۔ ایسٹ ٹمور کی مکمل آزادی کے لیے ریفرنڈم کرانے کے لیے بھی کہا جا رہا ہے جبکہ انڈونیشیا اس پر تیار نہیں ہے اور یو این او کے تحت ہونے والے حالیہ مذاکرات میں عوام کی رائے معلوم کرنے کے لیے ریفرنڈم کرانے کی بجائے وونگ کرانے کے لیے کہا گیا ہے۔ اس وونگ کا کیا طریقہ کار ہوگا' اس کی تفصیلات ابھی سامنے نہیں آئیں۔ کچھ بھی ہو' ایک بات طے ہے کہ ایسٹ ٹمور پر انڈونیشیا کا قبضہ اب خاتمے کے قریب ہے لیکن کیا ایسٹ ٹمور ایک آزاد ریاست کے طور پر زندہ بھی رہ سکے گی؟ اس حوالے سے مختلف خدشات کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔ بہرحال مسئلہ کو طے کرنے کے لیے انڈونیشیا کا رضامند ہونا خوش آئند بات ہے۔ سردست کم از کم ۵ سال تک ایسٹ ٹمور کو مکمل خود مختاری دیتے ہوئے انڈونیشیا کے ساتھ اس کی کنفیڈریشن بنا دی جائے اور یہاں سے انڈونیشیا کی فوج کے انخلاء سے قبل یو این او کی امن فوج کو تعینات کیا جائے تاکہ اس دوران ایسٹ ٹمور کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع مل سکے اور اس کے بعد عوام اگر کنفیڈریشن میں نہ رہنا چاہیں تو پھر اسے مکمل آزادی دے دی جائے۔ اس طرح اب فوری آزادی کی صورت میں خونریزی اور سول وار کے جن خطرات کا اظہار کیا جا رہا ہے' اس سے بچا جا سکے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان لاہور)

حضرت عمرؓ اور اچھی خوراک

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک روز اپنے والد محترم امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر اپنی خوراک میں کچھ تبدیلی کر لیں اور اچھی خوراک استعمال کیا کریں تو آپ اپنی ذمہ داریاں زیادہ اچھے طریقے کے ساتھ نباہ سکیں گے اور آپ کو قوت وصحت حاصل ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تمہاری رائے یہی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہاری خیر خواہی کو جانتا ہوں مگر میں نے اپنے دو ساتھیوں (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ) کو جس طریقہ پر چھوڑا ہے' اگر اس سے ہٹ جاؤں گا تو آخرت میں ان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکوں گا (اس لیے مجھے میرے حال پر رہنے دو)

(تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

فلم انڈسٹری اور مولانا محمد اکرم اعوان

لاہور (کلچر رپورٹر) اداکارہ انجمن کی فلم انڈسٹری میں باقاعدہ واپسی ہو گئی ہے۔ گزشتہ رات انہوں نے اپنی فلم "چودھرانی" کا افتتاح گلوکارہ عذرا جہاں کے گانے سے کیا۔ اداکارہ انجمن پانچ سال کے بعد جب ایورنیو سٹوڈیو میں داخل ہوئیں تو مین گیٹ پر فلمسازوں' ڈائریکٹروں' تکنیکی عملے اور پرستاروں نے ان کا زبردست خیر مقدم کیا۔ سٹوڈیو میں ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ مین گیٹ سے فوارے تک راستے کو گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ فوارے پر سٹیج بنایا گیا جس پر اداکارہ انجمن کی ایک بڑی تصویر لگائی گئی۔ افتتاح کے بعد مٹھائی تقسیم کی گئی۔ تقریب کے اختتام پر انجمن سٹوڈیو سے روانہ ہوئیں تو پرستار ان کی گاڑی کے آگے آگئے۔ افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اداکارہ انجمن نے کہا کہ میں فلمی دنیا چھوڑ چکی تھی مگر فلمسازوں' ڈائریکٹروں اور پرستاروں نے اس قدر مجبور کیا کہ میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور فلم انڈسٹری میں واپس آگئی۔ آج واپسی پر لوگوں نے جس طرح میرا خیر مقدم کیا' میں اس کی بڑی مشکور ہوں۔ خصوصا ذوالفقار علی ماناؔ' حسن عسکری اور ریاض بٹ کی جنہوں نے مجھے "چودھرانی" بنایا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پرستاروں نے ہی انجم سے انجمن بنایا۔ انہوں نے کہا کہ سلطان راہی اس ملک کے بڑے آرٹسٹ تھے۔ میں ان کی کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔ انہوں نے کہا کہ لوگ ہم لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ فلم والوں کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس تاثر کو زائل کرنے کے لیے آج میں اس تقریب میں ایک روحانی شخصیت کو لائی ہوں۔ یہ شخصیت تنظیم الاخوان کے سربراہ مولانا اکرم اعوان ہیں۔ مولانا اکرم اعوان نے کہا کہ فلم سب سے بڑا ذریعہ ابلاغ ہے۔ فلم والوں کے پاس بہت زیادہ سننے والے اور دیکھنے والے ہوتے ہیں اس لیے فلم کو صرف وقت گزارنے یا غم غلط کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اس ذریعے سے قوم کی تربیت کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ

ہمارے بچے مغرب کی بنائی ہوئی کارٹون فلمیں دیکھتے ہیں۔ بچوں نے سینوں پر مکی ماؤس کی تصویر بنا رکھی ہیں۔ دراصل مغرب والے کارٹون فلموں کے ذریعے اپنے نظریات ہمارے بچوں پر مسلط کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری انڈسٹری کو بھی کارٹون فلمیں بنانی چاہیں اور ان کے لیے ملا دو پیازہ' علی بابا کے موضوعات کافی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری فلم انڈسٹری نے جن حالات میں غیر ملکی فلم انڈسٹریوں کا مقابلہ کیا' اس پر ہماری انڈسٹری قابل تحسین ہے۔ (بحوالہ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی)

عبد الرشید ارشد

اسلام کا تصور ملت اور مروجہ قومی عصبیتیں

بالعموم ملت کو قوم اور معاشرے کے معنوں میں لیا جاتا ہے مگر حقیقتاً یہ درست نہیں ہے کہ قوم اور معاشرے کی بنیاد رنگ، نسل اور علاقہ ہوتا ہے۔ مثلاً آریہ ایک قوم تھے۔ دراوڑ ایک قوم تھے۔ یورپی معاشرہ، امریکی ماشرہ یا قدیم مصری معاشرہ اور پاکستانی معاشرہ وغیرہ کے الفاظ ہم اپنی روزہ مرہ بول چال میں استعمال کرتے ہیں اور یہ امر مسلمہ ہے کہ یورپی معاشرہ ہو یا پاکستانی اس میں مختلف مذاہب اور مختلف قومیتیں آباد ہیں لہٰذا ہم معاشرے کو ملت کا متبادل نہیں کہہ سکتے۔

ملت کی بنیاد دین وعقیدہ پر ہوتی ہے اور یہی معنی درست بھی ہیں۔ ملت رنگ، نسل اور علاقے کی نفی کرتی ہے مثلاً مسلم ملت، مسیحی ملت کی طرح دوسرے ادیان، یہودیت وغیرہ بھی الگ الگ ملت ہیں۔ خواہ وہ دھرتی کے کسی بھی کونے میں آباد ہوں۔ ملت وطن سے مشروط نہیں بلکہ عقیدہ سے مشروط ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے ملت کے مذکورہ مفہوم ومعنی کا تعین کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے عقیدہ ودین کے حوالے سے انسانیت کا ایک ہی ملت کے طور پر آغاز فرمایا تھا مگر آزاد مرضی کے ساتھ پیدا کیے گئے انسانوں میں سے گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں نے اپنے آپ کو مختلف ملتوں میں تقسیم کر لیا۔ مثلاً اللہ نے یہودی ملت اور عیسائی ملت کی تشکیل کے لیے ہدایات جاری نہیں فرمائی تھیں۔ خالق نے ہر امت میں انبیاء علیہم السلام اس غرض کے لیے مبعوث فرماتے تھے کہ انسانیت ایک ملت بن کر رہے مگر فرزندان ابلیس کا ایک الگ مشن تھا جس کی تکمیل بھی مشیت الٰہی کا حصہ تھی۔ یوں مختلف ملتیں وجود میں آئیں۔

قرآن پاک میں ملت کا لفظ اسی معنی میں مختلف سورتوں میں پندرہ مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

قل بل ملة ابراهيم حنيفا ○ (البقرہ - ۱۳۵)

ثم اوحينا اليك ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا ○ (النحل - ۱۲۳)

ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل (الحج - ۷۸)

ملت اگر صرف الفاظ تک محدود رہے تو یہ بے معنی بات ہے، ملت زندگی چاہتی ہے اور یہ زندگی، ہر شعبہ میں متحرک اقدار ہی اسے دلاتی ہیں۔ اقدار کو عملی زندگی سے لمحہ بھر کے لیے الگ کر لیں، ملت ریت کے گھروندے سے زیادہ ناپائدار ثابت ہوگی۔ اقدار کے لیے بنیادی اصول قرآن حکیم نے دیے ہیں تو ان کے لیے جزئیات تک کا تفصیلی سرمایہ محسن انسانیتؐ کے فرامین نے فراہم فرمایا، اس پر ذخیرہ احادیث شاہد ہے۔ اقدار، اخلاق وکردار کے حوالے سے ہوں، اقدار معاش ومعیشت و معاشرت کے حوالے سے یا سیاست واقتدار کے حوالے سے ہوں، زبانی تاریخ شاہد ہے کہ اقتدار کے فقدان نے یہودی ملت بنائی تو اسی سبب سے مسیحی ملت بنی۔

قرآن کے منشا کے عین مطابق ہادی برحق نبی آخری الزمانؐ نے جو ملت مستحکم بنیادوں پر تشکیل دی اور جس ملت کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے خون سے سینچا اور جس دور سے افضل دور انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتا، وہی ملت جب اور جس قدر اقدار کے سرمایہ سے محروم ہوتی گئی، اپنا مقام ومرتبہ کھوتی گئی اور جہاں جب قرآن وسنت والی اقدار کی طرف پلٹی، وہیں اسی قدر مقام ومرتبہ اس کا مقدر بنا۔ گویا ملت کا تشخص عقیدہ کی صحت وحقانیت اور اس کے مطابق عمل پر ہے۔

نیرنگی حالات کہ گردش زمانہ نے انسانیت کو شعور ملت سے بیگانہ کرنے اور بیگانہ رکھنے میں باوجود علوم کی وسعت پذیری کے اہم کردار ادا کیا۔ یہودی ملت کو چھوڑیے کہ ان کی ابتدا ہی فتنہ سے تھی اور ان کی انتہا بھی فتنہ وسازش پر ہے، مسیحی ملت بھی دین عیسوی کی بنیادی اقدار کو چھوڑ گئی اور یوں اپنے تشخص سے محروم ہے کہ ماضی کی رواداری اب ان کا مقدر نہیں رہی۔ اس پر ماضی کی تاریخ اور گزر تاحال گواہ ہے کیونکہ جب تک اقدار کا سرمایہ مسیحی ملت کا مقدر تھا، مسلم ملت کے ساتھ تعلقات بہرحال خوشگوار تھے۔ مسیحی ملت جب اقدار کا سرمایہ رکھتی تھی تو رواداری تھی کہ حقائق کو تسلیم کرنے میں اسے تامل نہ تھا۔ ہم تاریخ کے اوراق سے صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں، اگرچہ تاریخ بے شمار مثالوں سے بھری ہے۔

"جب اسلامی لشکر اردن کی وادی میں پہنچا اور خیمے گاڑے جانے لگے تو (باشعور) عیسائیوں نے مسلمانوں کو لکھا کہ "مسلمانو! ہم تمہیں رومیوں پر

ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں کیونکہ تم ہمارے ساتھ عہد وپیمان کی زیادہ پابندی کرتے ہو اور زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتے ہو اور بے انصافی نہیں کرتے ہو۔" اسی طرح جب ہرقل کی افواج حمص کے قریب آئیں تو شہریوں نے فصیل کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں سے کہا کہ ہم تمہاری حکومت اور تمہارے انصاف کو رومیوں کی بے انصافی اور ظلم کے مقابلے میں بہتر جانتے ہیں۔" (بحوالہ پریچنگ آف اسلام۔ ٹی ڈبلیو آرنلڈ ص ۵۹-۵۸)

پیشتر اس کے کہ ہم مروجہ عصبیتوں پر اپنی معروضات آپ کے سامنے رکھیں' ملت کے حوالے سے شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے افکار دیکھیے۔

اس نشاط آباد میں گو عیش بے اندازہ ہے
ایک غم' یعنی غم ملت ہمیشہ تازہ ہے
کل ایک شوریدہ خوابگاہ نبیؐ پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر وہندوستان کے مسلمان بنائے ملت مٹا رہے ہیں
اور ہے تیرا شعار' آئین ملت اور ہے
زشت روئی سے تیری آئینہ ہے رسوا تر
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے تب و تاب ملت عربی
اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ملت کے مفہوم ومعنی اور اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں اسے ۴۹ جگہ پر مختلف جہتوں میں استعمال کیا ہے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے صرف ۷ مقامات کے مفہوم ومعنی کو ان کے اپنے الفاظ میں آپ کے سامنے رکھا ہے۔

قرآن' حدیث اور کلام شاعر مشرق کے آئینہ میں ملت کو پہچان لینے کے بعد ملتوں کی باہمی عصبیتوں اور ملتوں کے اندر موجود عصبیتوں پر بات آگے بڑھاتے ہیں۔ اس سے ہم یہ جان سکیں گے کہ اسلام جس ملت کی بنیاد ہے اس میں عصبیتوں کی کس قدر گنجائش ہے اور اگر اسلام کی بنیاد پر تشکیل شدہ امت مسلمہ بھی عصبیتوں کا شکار ہے تو کیا اس میں اسلام کا قصور ہے یا اسلام سے دوری اس سارے قضیے میں کار فرما ہے اور پھر اس بات کا جائزہ بھی ضروری ہے کہ سب سے مہلک عصبیت کون سی ہے۔

مختلف ملتوں میں باہمی عصبیتوں کے حوالے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ عصبیت کی بنیاد بطور ملت سب سے پہلے یہود نے رکھی اور عصبیت ان کے خون میں اس قدر رچ بس گئی کہ آج تک عصبیت کے حوالے سے یہی چیمپئن ہے اور دوسری ملتوں میں عصبیتیں ابھار کر کمزور کرنے میں یہود ہی شب وروز کوشاں ہیں اور نصاریٰ ہوں یا ہنود یا نام کے بعض مسلمان' یہ سب ان کا آلہ کار ہیں۔ گزشتہ سطور میں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی تصنیف دعوت اسلام سے ایک حوالہ نقل کر چکے ہیں کہ مسیحی ملت میں جب اقدار زندہ تھیں تو جو سچائی ان کا مقدر تھی اس کے سبب مسلمانوں کے ساتھ وہ بہت حد تک غیر متعصب تھے۔ اگرچہ باہم کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دست وگریباں رہتے تھے۔ جوں جوں ان میں اقدار کا فقدان گھر کرتا گیا' تباہی ان کا مقدر بنتی گئی۔ مثلاً آج بھی آئرلینڈ کی صورت حال اس پر گواہ ہے یا یوگو سلاویہ اور کسووو کے مابین جو کچھ ہو رہا ہے' مسیحی تعصب کی بدترین مثال ہے۔ یہ دین سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

ملت مسلمہ سینہ دھرتی پر واحد خوش نصیب ملت تھی جس نے ہر عصبیت کی جڑ کاٹی تھی کہ اس کے پاس آفاقی تعلیم اور اس کے لیے آفاقی معلمؐ کا انتظام تھا۔ خالق نے اپنی محکم کتاب میں واضح طور پر فرما دیا کہ "اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں مرد اور عورت کے جوڑے سے پیدا کیا اور تمہاری شناخت کے لیے تمہارے قبائل بنائے' بے شک بڑائی تو صرف خدا خوفی (تقویٰ) سے مشروط ہے۔" (الحجرات) عصبیتوں کے خاتمہ کے لیے ہی محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کم وبیش سوا لاکھ اصحابؓ کے اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمایا' "جاہلیت کے تمام دساتیر و رواج آج میرے قدموں کے نیچے پڑے سسک رہے ہیں' دم توڑ رہے ہیں' انہیں کچل رہا ہوں' دور فخر وکبر مٹ گیا' اب کسی عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے۔ سب اولاد آدم ہیں اور آدم محض خاک کے پتلے تھے ..... اور ہاں دیکھو اگر نک کٹا حبشی غلام بھی تمہارا امیر یا سردار ہو اور وہ تمہیں خدا کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی مکمل اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے۔"

تاریخ کا لمبا دور' خلافت راشدہ کا دور اس حقیقت کا گواہ ہے کہ اسلامی اقدار کے سرمایہ نے ہر عصبیت کی مکمل طور پر اس طرح بیخ کنی کی کہ غیر بھی اس کے معترف تھے مگر جوں جوں اقدار کا سرمایہ ملت مسلمہ سے چھنتا گیا' عصبیتیں سر اٹھاتی رہیں اور پرائے ان عصبیتوں کو مزید ابھارنے کے لیے ہمہ جہت کوشاں رہے۔ پہلے اگر عصبیتیں قوم وملک و عقیدہ کی بنیاد پر تھیں تو یہ بڑھتے بڑھتے زبان' برادری' علاقائیت کے بعد مزید چھوٹے گروپوں تک پھیل گئیں اور اپنوں ہی کا گلا کٹنے لگا' اپنے ہی

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظام کے عملی نفاذ کے لیے
انتخابی اور گروہی سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہوئے
رائے عامہ کی بیداری، علماء و کارکنوں کی ذہن سازی اور دینی حلقوں میں رابطہ و مفاہمت کا فروغ

پاکستان شریعت کونسل

کا مقصد قیام اور اساسی ہدف ہے اور کسی بھی دینی و سیاسی جماعت سے وابستہ حضرات اس میں شامل ہو کر فکری، نظریاتی اور علمی جدوجہد میں حصہ لے سکتے ہیں۔ البتہ پاکستان شریعت کونسل کے دستور میں صرف اتنی شرط عائد کی گئی ہے کہ اس کا کسی بھی سطح کا امیر یا جنرل سیکرٹری کسی دوسری جماعت کا عہدہ دار نہیں ہوگا۔

ملک بھر میں پاکستان شریعت کونسل کی رکن سازی جاری ہے

فارم رکنیت اور دیگر معلومات حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل حضرات سے رابطہ کریں

پنجاب	مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر	مسجد امن باغبانپورہ۔ جی ٹی روڈ۔ لاہور
سندھ	مولانا سیف الرحمٰن ارائیں	جامعہ مفتاح العلوم۔ سائٹ ایریا۔ حیدر آباد
سرحد	مولانا حفیظ الرحمٰن المدنی	جامعہ معراج العلوم۔ بنوں
بلوچستان	مولانا سخی داد خوستی	سپین مسجد۔ شیخ آباد۔ ژوب
آزاد کشمیر	مولانا عبدلحی	مدنی مسجد۔ دھیر کوٹ۔ ضلع باغ
اسلام آباد	مولانا قاری میاں محمد نقشبندی	جامع مسجد سیدنا ابراہیمؑ ۔ واپڈا کالونی۔ H/8

اگر آپ محسوس کرتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے حوالہ سے لوگوں کی ذہن سازی علماء کرام اور دینی کارکنوں کی فکری و عملی تربیت اور اسلام دشمن قوتوں اور اداروں کی سرگرمیوں کی نشان دہی اور تعاقب کی ضرورت ہے تو ہمارے ساتھ اس جدوجہد میں شریک ہوں اور اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور وسائل کے ساتھ اسے آگے بڑھائیں۔

منجانب: مولانا فداء الرحمٰن درخواستی، امیر
ابو عمار زاہد الراشدی، سیکرٹری جنرل
پاکستان شریعت کونسل

جامعہ انوار القرآن آدم ٹاؤن 11-C-T نارتھ کراچی
مرکزی جامع مسجد۔ پوسٹ بکس ۳۳۱۔ گوجرانوالہ

REGD. NO. CPL 368

Fortnightly
AL-SHARIA
Gujranwala

E-mail
alsharia@paknet4.ptc.pk

الشریعہ اکیڈمی

ہاشمی کالونی، کنگنی والا، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

زیر نگرانی

مولانا زاہد الراشدی

☆ مجوزہ تعلیمی پروگرام ☆

○ پرائمری پاس بچوں اور بچیوں کے لیے پانچ سالہ کورس جس میں حفظ قرآن کریم، عربی گرامر کے ساتھ ترجمہ قرآن پاک، دیگر ضروری دینی تعلیم، میٹرک کی تیاری اور کمپیوٹر ٹریننگ شامل ہے۔

○ درس نظامی کے فضلاء کے لیے ایک سالہ تربیتی کورس جس میں تقابل ادیان و نظریات، تاریخ اسلام، اسلامی نظام حیات، کمپیوٹر ٹریننگ اور تحریر و تقریر کی مشق کے ساتھ نان میٹرک فضلاء کو میٹرک کی تیاری اور میٹرک پاس فضلاء کو ایف اے کی تیاری کا پروگرام شامل ہے۔

○ عام شہریوں بالخصوص وکلاء، تاجروں اور طلبہ کے لیے روزانہ مغرب سے عشاء تک قرآن کریم باترجمہ، ضروریات دین اور عربی زبان کی تعلیم کا انتظام

☆ مجوزہ تعمیری پروگرام ☆

○ مسجد خدیجۃ الکبریٰؓ ○ مدرسہ البنات ○ دار الاقامہ ○ لائبریری

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم نے ۶۔ اپریل ۹۹ء کو سرکردہ علماء کرام اور معززین شہر کی موجودگی میں اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھ کر تعمیر کا آغاز فرما دیا ہے۔ اصحاب خیر سے گزارش ہے کہ نقد رقوم یا تعمیراتی سامان کی صورت میں زیادہ سے زیادہ تعاون فرما کر اس کار خیر میں شریک ہوں۔

رابطہ کے لیے

(۱) عثمان عمر ہاشمی، کالج روڈ، زیڈ بلاک پیپلز کالونی گوجرانوالہ۔ فون ۲۷۳۴۳۵

(۲) حافظ محمد عمار خان ناصر، مرکزی جامع مسجد (شیرانوالہ باغ) گوجرانوالہ۔ فون ۲۱۹۶۶۳

(۳) فیصل محبوب، سرتاج فین جی ٹی روڈ، کنگنی والا گوجرانوالہ۔ فون ۲۷۲۶۹۴